پروفیسر ڈاکٹر سیمی نغمانہ طاہر

برصغیر میں اخبارات کا جنم اور کمپنی کی پالیسیوں پر ایک تازہ نظر

Introduction of press has a significant role in political and social history of sub-continent. The article attempts to present a fresh review of policies of East India Company about print media in Indian sub-continent.

۱۸۵۷ء ایک علامت، ایک ااستعارہ، ایک تاریخ یا محض ایک احساس یا افسانہ وحقیقت کے بین بین منتخب حقائق کی دستاویز ہے۔ کتنے ہی خیال اس ایک موضوع کو سوچتے ہوئے جھنجھوڑتے چلے جاتے ہیں۔ ذرائع ابلاغ خصوصاً طباعتی آثار تک نارسائی، ادبی صداقتوں کی طرح، چوتھی سمت، کی پتھرا دینے والی سمت کے سفر پہ ہمارا ہاتھ تھام لیتی ہے۔ کتنے ہی مخدوش مخطوطوں، نایاب تخلیقی اثاثوں، خودنوشت کہانیوں، معاہدوں اور روزنامچوں کی صدائیں کالے پانی سے رنگون کے قلعے تک تعاقب کرتی چلی آتی ہیں۔ لایعنی ہوتی صحافتی جرٲت بہت آہستگی سے کہیں عطا شاد کے شعر کے سائے میں بیٹھنے لگتی ہے۔

کبھی کہیں تو کھلے تیرے عرض حال کا حبس
ہو ا کی رحل پہ آواز کی کتاب سجا

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کی بیٹھتی گرد سے کہیں مرزا غالب کا روزنامچہ "دستنبو" نصاب کی ساری کتب سے علیحدہ ایک داستان سناتا ہے۔ دراصل جنگ آزادی ذرائع ابلاغ کی صلاحیت، طرز استعمال، نوعیت اور فیصلہ سازی کے عصری ادراک کی ایک نئی جہت ہمارے سامنے رکھتی ہے۔ جس کا اطلاق جون ۲۰۰۸ء کی اس گرم دوپہر پر بھی ہوتا ہے۔

دہلی پر چار ماہ کے مجاہدین کے قبضے اور کشمیری دروازے پر کندہ نام ایک اور کہانی کی نقاب کشائی بھی کرتے ہیں۔ شکست خوردہ انگریز فوج کے لیفٹیننٹ تھامس کیڈل(THOMAS CADELL) لیفٹیننٹ چارلس ایورٹ CHARLES EWERT) کیپٹن بارٹر(BARTER)اور بریگیڈیئر آرکیڈ ویلسن(RCHADAWILSON کے خطوط فوجی شکست کو بے تار برقی ذریعہ ابلاغ سے فتح میں تبدیل کرنے کے ہنر کی نشاندہی کرتے ہیں۔ 'سندھ ساگر اور قیام پاکستان' میں اعتراز احسن نے لکھا ہے:

"ھندوستان میں برطانوی راج کو ٹیلی گراف نے بچالیا" (۱)

اس سے قبل ۱۸۵۱ء میں بنارس، الہ آباد، آگرہ، انبالہ، لاھور اور پشاور تک ۸۰۰ میل طویل مواصلاتی رابطہ کی منظوری دیتے ہوئے لارڈ ڈلہوزی نے پیشن گوئی کی تھی: "یہ منصوبہ سلطنت کا سب سے اہم سیاسی اور معاشی سرمایہ ثابت ہوگا"(۲)

والپرٹ (wolpert) نے لکھا:

"جنگ کے دوران ٹیلی گراف نے اپنا سکہ جما دیا تھا اس کے گنگناتے تاروں نے بہت سارے باغیوں کو

Scanned by CamScanner

پھانسی دلوانے میں مدد کی، برقی تاروں نے جامع منصوبہ بندی، درست وقت کے انتخاب اور کمک کی آمد سے
ہم آہنگ ہو کر دہلی پر فیصلہ کن حملے کو ممکن بنا دیا" (۳)

اور پھر لارنس اور نکلس اور بارک پور کے فوجی دستوں کا جدید ٹیکنالوجی کے ذریعہ حاصل کردہ کونسل کی ھدایات پر عمل کرتے ہوئے دہلی پر کیا گیا آخری حملہ ایک مربوط اور فیصلہ کن کارروائی ثابت ہوا۔ اعتزاز احسن کے ان خیالات کے ساتھ ان معروضی سچائیوں کا باب بھی کھلتا ہے جو آج بھی ٹیکنالوجی کے احکامات کے ادراک سے بے پرواہ ہماری کوتاہیوں کے مجرمانہ تغافل کو نمایاں کر دیتا ہے۔ جنگ آزادی کے ضمن میں ڈاکٹر مبارک علی تین اہم معروضی نکات اٹھاتے ہیں:

۱) ۱۸۵۷ء نوابوں، حکمرانوں اور امراء کی مراعات کے خاتمے کا نتیجہ تھی یا کسانوں کی نئی ریونیو پالیسی کے خلاف بغاوت؟

۲) یا پھر نانا صاحب، جھانسی کی رانی اور حضرت محل کے نقطہ نظر میں سازش۔

۳) ھندوستانی انگریزوں سے خوش تھے لیکن مسلمان امراء نے انھیں بھڑکایا اور پھر ھندو اس میں شامل ہوئے۔

ان خیالات کی صداقت کو پرکھنا ایک اور طویل بحث کا متقاضی ہے مگر اس سے بھی اہم صداقت یہ ہے کہ سارے کا سارا ھندوستان اس جنگ کی لپیٹ میں نہیں آیا، یہ جنگ ۱۰ مئی ۱۸۵۷ کو میرٹھ ۱۱ مئی ۱۸۵۷ء کو دہلی، ۳۰ مئی کو لکھنو، ۴ جون کو بنارس اور کانپور میں ہوئی۔ جنگ کی حدود متعین کرنے سے اس صحافیانہ ردعمل کے کھوج میں سہولت رہے گی جو مجموعی طور پر پورے ھندوستان میں اور خصوصی طور پر ان علاقوں کے اخبارات و رسائل اور برطانوی حکومت کے قوانین کے اجراء اور اطلاق کے نتیجے میں ہونے والی مزاحمت کی تاریخ بنتا ہے۔

۱۸۵۷ء نے ھندوستان کی جغرافیائی اور سیاسی ہیت کو دو طرح سے متاثر کیا۔

اول: برٹش ھندوستان کا قیام جس میں برطانوی طرز حکومت کو رائج کرنے کی کوششیں کی گئیں۔

دوئم: ریاستی ھندوستان جو لگ بھگ ۶۰۰ خود مختار اور نیم خود مختار سیاسی اور فوجی طور پر معذور ریاستوں کا ھندوستان تھا ان پر قبضے کے لیے انگریزوں کی توسیع پسندانہ پالیسیوں کی تشکیل اور جابرانہ اقدامات اور ساتھ ساتھ ریاستوں کی طرف سے حاصل ہونے والا تعاون اور مدد کا حاصل ہونا اور یوں ریاستوں سے اٹھنے والی صحافت کی بازگشت کی مصلحت پسندانہ سرگوشیاں بھی اس گفتگو کا غیر اہم حصہ نہیں۔

۱۸۵۷ء سے قبل اردو صحافت کے پچیس برس اور اس کے بعد کے لگ بھگ پچاس سال کے صحافتی اظہاریوں اور ان کے لئے ہونے والی قانون سازی پر ایک نظر یوں بھی ڈالنے کی ضرورت ہے۔

۱) ھندوستان میں ابتدائی بیس برسوں کی انگریزی صحافت سے قطع نظر کہ یہ صحافت بقول ڈاکٹر طاہر مسعود 'اخبارات چھپتے مدارس، بمبئی یا کلکتہ میں ضرور تھے لیکن سانس انگلستان میں لیتے تھے'۔ اس لیے یہ صحافت برصغیر کی بدلتی تاریخ کے اندرونی اضطراب کے ردعمل کی غماز نہیں رہی اور یوں اس گفتگو کا کم اہم حصہ ہے۔

۲) انیسویں صدی کی ابتدائی دو دہائیاں ہندستانی صحافت میں بڑی تبدیلیوں کی غماز ہیں کہ یہی دور ھندوستانی زبانوں میں صحافت کے آغاز کا پتہ دیتا ہے اس دور میں کمپنی کی حکومت کی طرف سے اخبارات پر پابندیاں شدید رہیں اور صرف ۱۸۰۱ء سے ۱۸۱۸ء تک اخبارات کو پانچ مرتبہ نئی پابندیوں کا سامنا کرنا پڑا۔ سنسر کا محکمہ سخت گیر اور اخبارات کے لیے خبر نویسی کا دائرہ محدود تر دکھائی دیتا ہے۔

۳) ۱۸۱۳ء میں لارڈ منٹو کی جگہ لارڈ ھسٹنگز کی بطور گورنر جنرل تعیناتی کے ساتھ صورت حال تبدیل ہوئی اور ۱۸۱۸ء میں سنسر کا محکمہ توڑ دیا گیا۔ یہ ہندوستانی صحافت کی تاریخ میں اہم پیش رفت تھی اسی ماحول نے چند برس کے اندر راجہ رام موہن رائے کی صحافتی مہم جوئی کے لیے راہ ہموار کی اور اسی تسلسل میں کمپنی کی سرپرستی کی چھاؤں میں اردو صحافت کا آغاز "جام

Scanned by CamScanner

جہاں نما" کی اشاعت سے ہوا۔ ابتدائی چھ برسوں تک اخبار کی پیشانی پر ایسٹ انڈیا کمپنی کی مہر طبع ہوتی رہی (۷)

۴) ہندستانی زبانوں خصوصاً اردو اور فارسی اخبارات کی اشاعت کے اگلے ہی سال ہندوستان میں پہلا پریس آرڈی نینس ۱۸۲۳ء نافذ ہوا جس کے محرک سابقہ سنسر آفیسر ایڈم ہیں جو لارڈ ہسٹنگز کی جگہ اب عارضی گورنر جنرل ہیں۔ اس قانون کے ذریعے اخبار و کتب کی اشاعت یا چھاپہ خانہ لگانے یا چلانے کے لیے لائسنس کا حصول لازم ٹھرایا گیا۔ قانون کے نفاذ کا آغاز بنگال سے ہوا اور اس کے خلاف دو اہم اپلیں دائر کی گئیں ایک مراۃ الاخبار اور دیگر دو اخباروں کے ایڈیٹر راجہ رام موہن رائے اور دوسری کلکتہ جرنل کے مالک مسٹر فرگوسن کی طرف سے دونوں اپلیں خارج ہوئیں راجہ راج موہن رائے نے احتجاجاً مراۃ الاخبار اور دیگر اخبارات بند کر دیے (۸)

۵) اس سے قبل ۱۷۸۰ء میں برصغیر کے پہلے اخبار" ہکی گزٹ " کی اشاعت یہ ضرور واضح کر چکی تھی کہ ہندوستان میں صحافت کا آغاز حکومت کی مدح خوانی سے نہیں ہوا اور کمپنی کی حکومت شروع ہی سے اخبارات سے بدگمان رہی۔ اٹھارویں صدی میں ہندوستان کے تمام اخبارات صرف انگریزی زبان میں شائع ہوتے تھے مگر کمپنی کی پالیسیاں ان اخبارات کے مدیران کی سخت تنقید سے مبرا نہ تھیں اسی پس منظر میں لارڈ ویلزلی کا مرتب کردہ پریس ایکٹ سامنے آیا جس کے تحت کلکتہ میں سنسر کا محکمہ قائم ہوا تھا۔ اس قانون کے مطابق جب تک کوئی مقرر کردہ افسر اخبار کا معائنہ نہ کر لیتا اخبار شائع نہ ہو سکتا تھا۔ قانون کی خلاف ورزی کرنے والے کو انگلستان بھیج دیا جاتا۔ ۱۸۰۱ء میں کلکتہ سے گورنمنٹ گزٹ کے اجراء کا مقصد ان اخباروں کے اثر و نفوذ کو کم کرنا تھا (۹)

۶) ۱۸۲۳ء کے پریس آرڈی نینس کے بعد ۱۸۲۵ء میں ایک اور قانون کے ذریعے سرکاری ملازموں کا اخبارات کی ادارت یا ملکیت سے لاتعلق رہنا لازمی قرار دیا گیا (۱۰)

۳۰ دسمبر ۱۸۲۵ء کو لندن سے جاری ہونے والے باضابطہ حکم نامے کی رو سے کونسل کے ممبر، سول، فوجی یا بحری افسر یا کوئی سرکاری ملازم جس میں پادری بھی شامل تھے نہ کسی اخبار، رسالے میں کچھ لکھ سکتے تھے نہ کسی اخبار ،رسالے سے مالکانہ تعلق پیدا کر سکتے تھے اس حکم کا نفاذ بمبئی مدراس اور بنگال میں یکساں طور پر عمل میں آیا۔

۷) یکم جنوری ۱۸۲۷ء کو بمبئی حکومت نے بھی اپنے علاقے میں اخباروں کے لیے وہی پابندیاں عائد کیں جو چار سال پہلے ایڈم نے بنگال پریزیڈنسی میں نافذ کی تھیں اور ان کا اطلاق اخبارات کے علاوہ جملہ مطبوعات اور چھاپے خانوں پر بھی کیا گیا(۱۱)

۷) سال ۱۸۲۸ء اخبارات کی آزادی کے لیے ایک نوید لارڈ بنٹنک کی ہندوستان کے گورنر جنرل کی حیثیت سے تقرری کی صورت میں لایا جو اخبارات کی انتہائی آزادی کے حامی تھے ہندوستانی رائے عامہ کی ترقی کی راہیں کھلیں راجہ رام موہن رائے ایک مرتبہ پھر صحافت کے میدان میں داخل ہوئے۔ بنگالی زبان کے اخبارات کے ساتھ مشترک زبانوں کی خبر نویسی نے جنم لیا۔ بمبئی بھی پیچھے نہیں رہا ۱۸۳۱ء میں بمبئی سے انگریزی کے دس اخبار نکل رہے تھے مراٹھی زبان کی صحافت کا آغاز بھی ہوا۔

۸) باوجود اخبارات کے آزادی کے حامی ہونے کے اس دور میں لارڈ بنٹنک نے اخبارات کے لیے ایک حکم امتناعی کے اجرا کی بھی وکالت کی جس کے مطابق اخباروں کے ایڈیٹروں کو اخباروں میں سرکاری دستاویزات کی اشاعت اور اظہار خیال سے روکنا تھا۔ چیف سیکریٹری نے اس تجویز کی حمایت کرتے ہوئے لکھا۔

"میرا تو ہمیشہ سے یہی خیال رہا ہے کہ ہمارے وطن انگلستان میں اخباروں کو جو بے روک ٹوک آزادی حاصل ہے وہ ہماری مشرقی سلطنت کے لیے موجودہ حالات میں ناموزوں ہے" (۱۲)

Scanned by CamScanner

۹) اسی اظہاریے کے تسلسل میں فروری ۱۹۳۵ء میں کلکتے کے ہندوستانی اور انگریزی اخبار نویسوں کی طرف سے لارڈ بنٹک کو ایک متفقہ یادداشت پیش کی۔ سر چارلس مٹکاف جن کا نام آنے والے دنوں میں ہندوستان میں آزادیٔ اظہار کے ایک اور حامی کے طور پر لیا جانے والا تھا انہوں نے اس حکم امتناعی کے بارے میں رائے دیتے ہوئے کہا

"میں کورٹ آف ڈائریکٹرز کے سابقہ حکم اور اس نئے فیصلے میں کوئی فرق نہیں پاتا اور اس کا کوئی جواز میری سمجھ میں نہیں آتا ہے کہ ایک حکم پر تو اخباروں کو اظہار ناراضگی کی اجازت دی گئی ہے اور دوسرے حکم پر اظہار خیال روکنے کے لیے حکم امتناعی جاری کیا جا رہا ہے" (۱۳)

مزید لکھا کہ

"میرے خیال میں اس موقع پر رائے عامہ کو دبا کر بے اطمینانی کی نئی لہر پیدا کرنے سے کہیں بہتر یہ ہوگا کہ اس سلسلے میں اور بھی جو کچھ کہا جا سکتا ہے کہہ لینے دیا جائے"۔

لارڈ مٹکاف نے اپنی کونسل کے ممبر قانون سر میکالے کو اخباروں کے لیے ایک مسودہ قانون مرتب کرنے کی ھدایت کی۔ میکالے نے اپنے مسودہ قانون کے ساتھ ایک طویل نوٹ بھی لکھا جس کے مطابق "میں جن قوانین کے منسوخ کئے جانے کی تجویز پیش کر رہا ہوں ان قوانین سے زیادہ نا قابل حمایت شاید دنیا کا کوئی اور قانون ہو" اختصار ان دلائل کا یہ تھا کہ ہر چند کہ عملاً ہندوستانی اخباروں کو بہت حد تک وہی آزادی حاصل ہے جو کہ انگلستان میں اخباروں کو میسر ہے مگر قوانین میں موجود بندشوں کے سبب حکمران ہدف تنقید بنتے رہے ہیں لہذا ان کا منسوخ کیا جانا ہی بہتر ہے اس مسودہ قانون کی تائید کرتے ہوئے لارڈ مٹکاف نے اپنے نوٹ میں قطعی طور پر قرار دیا:

"چنانچہ میری رائے ہے کہ یورپین اخباروں پر جو پابندیاں عائد ہوں ہندوستانی اخبارات پر ان کے علاوہ کوئی اور پابندی عائد کرنا ناانصافی ہوگی" (۱۴)

۳ اگست ۱۸۳۵ء کو اس مسودہ نے باقاعدہ قانون کی شکل اختیار کی جسے اخبار نویسوں کے علاوہ کلکتے کے تمام تعلیم یافتہ طبقات نے سراہا مگر چارلس مٹکاف کو اس کی قیمت بہر حال ادا کرنی پڑی لارڈ آک لینڈ کو نیا گورنر جنرل بنایا جانا اور مٹکاف کی آگرے کے لفٹنٹ گورنر کی حیثیت سے تنزلی اسی کا نتیجہ تھی۔ اصل میں اسی سال برطانیہ میں برسر اقتدار وھگ پارٹی کا خیال تھا کہ لارڈ مٹکاف کا اخبارات کو آزادی دینا ایک نہایت غیر دانشمندانہ فیصلہ تھا۔

بہر کیف نیا قانون نافذ ہو چکا تھا جسکی رو سے لائسنس کی جگہ ڈیکلیریشن داخل کرنے کا طریقہ روشناس کرایا گیا۔ آک لینڈ کی متوازن پالیسی کے نتیجے میں روزناموں اور ہفتہ وار اخبارات کی تعداد میں اضافہ ہوا۔ اس توازن کو پیدا کرنے کے لیے اخبارات کے لیے پریس ایڈوانس کی طرز پر خبروں کے ساتھ اخبارات کو گورنمنٹ پالیسی کا خلاصہ روزانہ فراہم کرنے کا طریقہ اختیار کیا گیا۔

ہندوستانی صحافت کے اس ابتدائی دور کو کمپنی کی پالیسی اور کی گئی قانون سازی کے تناظر میں دیکھتے ہوئے اس ماحول کی ضرور عکاسی ہوتی ہے جس میں برصغیر کی صحافت نے جنم لیا بقول ضمیر نیازی

"پچاس سال کے اندر اندر یہ صحافت بلوغت کو پہنچ گئی ایڈیٹروں اور سیاست دانوں کے سامنے مقاصد واضح تھے اگرچہ راستے مختلف تھے لیکن منزل ایک تھی سامراجی تسلط سے آزادی" (۱۵)

اردو صحافت کے دور اول پر ایک نگاہ ڈالتے ہوئے ڈاکٹر طاہر مسعود ۱۸۳۷ء سے ۱۸۵۷ء کے پہلے دور میں اردو صحافت کے اجراء کو دیکھتے ہیں ان کے مطابق ۱۸۴۴ء سے نئے اخبارات تیزی سے منظر عام پر آنے شروع ہوئے اور ۱۸۵۱ء سے ۱۸۵۷ء کے دوران اخبارات کے اجراء کی رفتار تیز ترین رہی ہر چند کہ اس پہلے دور میں ہندوستان کے ۲۹ شہروں سے اخبارات

Scanned by CamScanner

نکلے مگر بڑے مراکز دہلی، آگرہ، مدراس، لاہور، لکھنؤ، بنارس اور بمبئی تھے (۱۶) بہ الفاظ دیگر وہ علاقے جہاں بنیادی طور پر آزادی کی جنگ براہ راست لڑی گئی۔ ایک سبب اس پیشرفت کا یہ بھی تھا کہ مئی ۱۸۵۷ء تک ھندوستان میں اخبارات کے لیے وہی قاعدے قانون نافذ رہے جو ۱۸۳۵ء میں لارڈ مٹکاف کی ایما پر مرتب کیے گئے تھے۔

دوسری طرف وہ ریاستی ھندوستان جسکی تشکیل برطانوی عہد کے آغاز کے ساتھ ہوئی اور ریاستیں جنھیں وقتاً فوقتاً کمپنی کی عملداری میں لانے کے لیے ضبط کیا جاتا رہا ان کی تاج برطانیہ کے ساتھ الحاق کی نوعیت بیشتر وقت جبری بسا اوقات اور بغیر فوجی کاروائی کے بھی عمل میں آئی اور اس کی نہایت مکروہ شکل ریاست اودھ پر ۱۸۵۶ء میں کمپنی کا غاصبانہ قبضہ تھا جس نے کان پور اور لکھنؤ کی آزادی کی جنگ میں براہ راست شمولیت کے لیے بنیاد فراہم کی۔ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے دوران ایک آدھ استثنا کے سوا والیان ریاست اس شورش سے علیحدہ رہے بعض نے اس تحریک کو کچلنے میں انگریزوں کی مدد بھی کی۔ کیا یہ محض اتفاق تھا کہ ۱۸۵۷ء سے قبل اردو اخبارات زیادہ کمپنی کی عمل داری والے علاقوں سے نکلے؟۔ ریاستوں کا جاگیردارانہ استبدادی نظام اور شخصی حکمرانی کی مضبوط گرفت نے اخبارات کے اجراء کو جنگ آزادی سے قبل ممکن نہ ہونے دیا اور ریاستیں اور ان کے اندرونی معاملات انیسویں صدی کے ابتدائی نصف میں اخبارات کی نظر سے اوجھل رہے۔

دوسری طرف صحافت کے ابتدائی دور میں اخبارات پر لگنے والی پابندیوں میں جہاں نفسیاتی طور پر غدر کے علاقوں میں آزادی کے لیے پنپنے والی رائے عامہ کی بیخ کنی کا جذبہ کارفرما تھا تو دوسری طرف سرکاری ملازمین کو رائے عامہ کی تشکیل سے علیحدہ رکھ کر سول نافرمانی کی انتظامی صورت حال کو کنٹرول کرنے کا لائحہ عمل بہت پہلے وضع کر لیا گیا تھا۔ یہ درست ہے کہ جنگ آزادی ناکام ہوئی لیکن اس نے ایسٹ انڈیا کمپنی کا بھی خاتمہ کر دیا سیاسی اور انتظامی تبدیلی آئی اور یکم نومبر ۱۸۵۸ء کو ملکہ وکٹوریہ کے ایک اعلان کے ذریعے ھندوستان تاج برطانیہ کے ماتحت چلا گیا۔ (۱۸)

لارڈ کیننگ ھندوستان کے پہلے وائسرائے مقرر ہوئے آنے والے دنوں میں صحافتی منظر نامے پر عوامی عدم تشفی اور وائسرائے کے پریس پر تحفظات میں اضافہ ہوتا چلا گیا۔

۱۸۵۷ء آج کے تناظر میں

اکیسویں صدی ۱۸۵۷ء نہیں پھر بھی ذرائع ابلاغ عامہ کی جدید ترین صدی ہونے کے ناتے ٹیلی گراف کے ذریعے فوجی شکست کو دوبارہ فتح میں تبدیل کرنے کے سامان سے آراستہ ہے۔ ہم آج بھی ذرائع ابلاغ کے داخلیت شکار فرسودہ استعمال وانسداد، سیاسی مہمیز کاری اور حکومتی مدت میں غیر آئینی اور غیر اخلاقی اضافے کی لاحاصل جنگ لڑ رہے ہیں۔ بقول امرتا سین: "پریس کی آزادی ڈیویلپمنٹ سے مقدم ہے اور آزادی اظہار ترقی کی ناگزیر وجوہ ہے" (۱۹)

پریس خود ٹیکنالوجی کی ترقی کی پیداوار ہے اور سرمایہ کے نجی استعمال کی جدید اجارہ داری یا جدید کالونی ہے۔ اب اس میں فلاح عامہ کی تشکیل و تعریف اطلاق و نتائج کے خود وضع کردہ معیارات سے نئے سیاسی اقتصادی اور ثقافتی نتائج حاصل کیے جا رہے ہیں۔ گلوبلائیزیشن کا عمل روز مہمیز ہوتی ٹیکنالوجی کی غیر محسوس و غیر معین تبدیلی سے گزر رہا ہے۔ ریاستیں اپنی خود اختیاری عالمی کارپوریٹ اداروں کے آگے سرنگوں کرنے پر مجبور دکھائی دیتی ہیں۔ دنیا کی خبر ہر خبر معروضی علمی ارتقاء کے مرکزی دھارے سے منسلک رہتی ہے ہم آج بھی حرکت کے تین قوانین کی مذمت کر کے معروضی جدید دنیا سے الگ متصادم اور نئی دنیا پیدا کرنا چاہ رہے ہیں یہ سمجھے بغیر کہ تاریخ کے فیصلے اخلاقیات کی بنیاد پر نہیں طاقت کی بنیاد پر ہوتے ہیں، اور آج طاقت کا درست ترجمہ تخلیقی استعداد ہے جو تحقیق کی کوکھ سے پھوٹتی ہے اور فاضل سرمائے کی آگ میں تپ کر نئی منڈیوں کی تشکیل کرتی ہے، اور یہ جانے بغیر کہ اجارہ داری کی ایک کڑی سرمایہ دارانہ استحصال کے ذریعے بے ہنر ہوتی قوموں کے مستقبل خرید لیا کرتی ہے حالت جنگ میں آئی قوموں کو یہ خبر نہیں کہ "پیٹنٹ" ہوتے علمی اور تخلیقی اثاثے وہ شجر ممنوعہ ہیں کہ جنھیں چکھنے کا نتیجہ بہشت بدری

Scanned by CamScanner

ہے۔ گویا استعمار نے چینل بدل لیے ہیں بالکل ایسے ہی جیسے ہم اب تک یہ فیصلہ نہیں کر پائے کہ ہمیں انصاف چاہیے یا اناج؟ کیونکہ آلات سے پیداوار، پیداوار سے ثقافت، ثقافت سے اخلاقیات اور اخلاقیات سے خود کار نظام انصاف جنم لے گا۔ ڈویلپمنٹ میں الٹے پیروں کی مسافت رائیگانی کے رنج کے علاوہ دے بھی کیا سکتی ہے۔ ہمارے نجی اور حکومتی ذرائع ابلاغ اور ان کو ریگولیٹ کرنے والے قوانین آج بھی وہ رائے عامہ تشکیل نہیں دے پائے جو آنے والے دنوں کا سرنامہ ہیں۔

تیزی سے غیر متوازن ہوتی دنیا میں پروڈیوسر اور کنزیومر سوسائیٹیاں نئی وضع کی رشتہ بندیوں میں آئینی اور اخلاقی پابندی سے آزاد ہیں جس میں ٹیکنالوجی کے مساویانہ استعمال، علمی اختراعات وایجادات میں تمام انسانوں کے اجتماعی حقوق زیر گردش سرمایہ کے عدم ارتکاز کی سائینس کی دریافت اور انفوٹیمنٹ میں مسابقت کی گنجائش نہ کہ اجارہ داری اہم سوالات ہیں جنھیں کارپوریٹ کلچر میڈیا کلچر کی دھار سے کند بنانے میں اب تک کامیاب چلا آ رہا ہے۔

گلوبل ویلیج کو گلوبل جسٹس اور گلوبل پیریٹی کی طرف لے جانے والی رائے عامہ اور ذرائع ابلاغ جب کبھی معرض وجود میں آئیں گے تب نئے دستور مرتب ہوں گے جو انسانی فلاح وخدمات کے شعبوں میں ہم آہنگ اور یکساں قبولیت کا سبب بن سکیں۔ یہ منزل ابھی کتنی دور ہے نہیں کہا جا سکتا کہ ابھی اس کا ادراک کیا جانا باقی ہے۔

حوالہ جات

۱) احسن اعتزاز (۱۹۹۹) سندھ ساگر اور قیام پاکستان دوست پبلی کیشن اسلام آباد ص ۳۰۱

۲) ایضاً ص ۳۰۲

۳) ایضاً

۴) علی مبارک ڈاکٹر (۲۰۰۷) برطانوی ہندوستان ایکشن انٹرنیشنل پاکستان ص - ۶۸

۵) مسعود طاہر ڈاکٹر (۲۰۰۳) اردو صحافت انیسویں صدی میں فضلی سنز اردو بازار کراچی ص - ۶۴

۶) ایضاً ص - ۶۶

۷) صدیقی محمد عتیق (۱۹۸۰) ہندوستانی اخبار نویسی (کمپنی کے عہد میں) انڈس پبلی کیشنز کراچی ص - ۱۵۵

۸) ایضاً ص - ۱۸۲

۹) باری (۱۹۶۹) کمپنی کی حکومت نیا ادارہ لاہور اشاعت چہارم ص - ۴۱۸

۱۰) ایضاً ص - ۴۱۹

۱۱) صدیقی محولہ بالا ص ۱۹۱

۱۲) ایضاً ص - ۲۱۴

۱۳) ایضاً ص - ۲۲۰

۱۴) ایضاً ص - ۲۲۱

۱۵) نیازی ضمیر (۲۰۰۴) صحافت پابند سلاسل مترجم اجمل کمال - پاکستان اسٹڈی سنٹر جامعہ کراچی ص - ۱۸

۱۶) مسعود محولہ بالا ص ۳۱۹-۳۲۰

۱۷) ایضاً ص ۷۷

۱۸) صدیقی محولہ بالا ص ۴۱۰

۱۹) علی اکبر ایم اے (۲۰۰۴) پاکستان ترقی کی راہ تخلیقات مزنگ لاہور ص ۲۷۴

Scanned by CamScanner